ہاجرہ مسرور

(۱۹۲۹ء-۲۰۱۲ء)

ہاجرہ مسرور لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد ڈاکٹر تہوّر علی خاں سرکاری ملازم تھے۔ والد کے تبادلوں کی وجہ سے ان کی تعلیم کئی شہروں میں ہوئی۔ ان کی اچانک وفات کے بعد ہاجرہ کا سلسلۂ تعلیم منقطع ہوگیا۔ ہاجرہ مسرور کو گھر میں ادبی ماحول میسر تھا۔ ۱۹۴۷ء میں اپنے خاندان کے ساتھ لکھنؤ سے ہجرت کر کے لاہور آگئیں۔ کچھ عرصہ وہ احمد ندیم قاسمی کے ساتھ رسالہ نقوش کی ادارت میں شریک رہیں۔ ان کی شادی معروف صحافی احمد علی (مدیر: ڈان) سے ہوئی۔

خواتین افسانہ نگاروں میں ہاجرہ مسرور نے خاصی شہرت حاصل کی۔ ان کے زیادہ تر افسانوں کا موضوع خواتین کے مسائل اور چھوٹی بڑی معاشرتی الجھنیں ہیں۔ معروف افسانہ نگار اور نقاد ممتاز شیریں لکھتی ہیں: ''اتنی زیادہ تعداد میں اچھے افسانے ہاجرہ مسرور کے علاوہ شاید ہی کسی نے لکھے ہیں۔''

ان کے متعدد افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، مثلاً: چرکے، ہائے اللہ، چوری چھپے، اندھیرے اُجالے، تیسری منزل وغیرہ۔ وہ لوگ کے نام سے ان کے ڈراموں کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ہاجرہ کے افسانوں کا کلیات سب افسانے میرے ۱۹۹۱ء میں لاہور سے شائع ہوا تھا۔ ہاجرہ مسرور بھرپور ادبی اور سماجی زندگی گزار کر ۱۵ ستمبر ۲۰۱۲ء کو کراچی میں وفات پا گئیں اور کراچی ہی میں دفن ہوئیں۔

مُلَمَّع

تدریسی مقاصد

۱۔ ہاجرہ مسرور کی افسانہ نگاری کا تعارف کرانا۔
۲۔ معاشرے میں ظاہر و باطن کے دوغلے پن کی نشان دہی کرنا۔
۳۔ بعض لوگوں کو دکھاوے کی عادت ہوتی ہے، اس کے نفسیاتی پس منظر کی نقاب کشائی کرنا۔
۴۔ طلبہ کو افسانے کی صِنف سے واقفیت دلانا۔
۵۔ طلبہ پر اچھے افسانے کی خوبیاں اُجاگر کرنا۔

وہ ریلوے ٹکٹ گھر کے سامنے سیاہ ریشمی برقعے میں لپٹی کھڑی تھی۔ پلٹی ہوئی نقاب، کچھ متعجب سی نگاہیں، رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ گاڑی کے آنے میں صرف پندرہ منٹ باقی تھے، لیکن ٹکٹ گھر کی کھڑکیاں اب تک بند تھیں۔ اس کی حیران نظریں بند کھڑکیوں سے سر ٹکرا ٹکرا کر اُکتا گئیں۔ اس نے ایک نظر اپنے اردگرد ڈالی۔ زمین اور بنچوں پر سیکڑوں آدمی لاشوں کی طرح پڑے سو رہے تھے، جیسے ان سب کو سفر کرنا ہی نہ تھا۔

وہ آہستہ سے قلی کی طرف مڑی، جو اس کا ہلکا پھلکا اٹیچی کیس اور مختصر سا بستر سر پر رکھے ہوئے تھا۔

’’قلی! اب تک ٹکٹ گھر نہیں کھلا؟‘‘

’’یو گاڑی ہمیشہ لیٹ رہت ہے۔‘‘ قلی نے اپنی دھندلی سی تنہا آنکھ اس کے خوب صورت چہرے پر گاڑ دی اور جیسے اس کی دوسری پھوٹی ہوئی آنکھ کا دھنسا ہوا پپوٹا اپنی بے مائگی پر پھڑ کنے لگا۔

’’تو کہاں بیٹھوں میں؟‘‘ وہ جیسے اپنے آپ سے سوال کر رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر قریب پڑے ہوئے غریب انسانوں پر اپنی نظریں بکھیر دیں۔

’’یہیں بیٹھ جاؤ۔‘‘

’’یہاں؟‘‘ اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا ریشمی برقع، خوب صورت چہرہ اور نفیس سامان، غریب قلی کی نظروں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

یہ سوچ کر اس کا دل بیٹھنے لگا اور وہ خاموشی سے نیم تاریک سی کالی کلوٹی سڑک کی طرف دیکھنے لگی، جس پر اِکّا دُکّا چرخ چوں کرتے ہوئے یکّے کی میلی چمنیوں والی بتیوں سے ایک کثیف سی روشنی نکل کر سڑک پر رینگ رہی تھی۔ اس کا خیال فوراً ہی

اپنی موجودہ حالت کی طرف دوڑ گیا۔ مَیں کیا ہوں اس وقت؟ دیکھنے والوں کی نظر میں یقیناً کوئی امیر کبیر آزاد خیال لڑکی لیکن درحقیقت ایک مٹے ہوئے خاندان کی قابل...... لیکن پریشان حال لڑکی۔ بالکل یکّے کی دھندلی لالٹین۔

''رکھے دیت ہیں سامان اسی جگہ۔'' قلی بولا۔

''نہیں مَیں یہاں نہیں بیٹھوں گی۔'' اس نے کسی قدر غصّے سے کہا۔ پھر اندھیرے میں گھورنے لگی۔ اندھیری سڑک پر کرارے بوٹوں کی چِرر چِرر پیدا ہوئی اور ایک سایہ لرزتا ہوا بڑھنے لگا۔ آخر سٹیشن کی تیز روشنی میں اس نے دیکھا کہ ایک قبول صورت نوجوان ایک بھاری اووَرکوٹ پہنے اسی طرف آ رہا ہے۔ لڑکی سمجھی شاید ٹکٹ لینے آ رہے ہیں حضرت۔ وہ بے ساختہ مسکرا دی۔ نوجوان ٹائی کی گرہ کستا، اس پر ایک چبھتی ہوئی نظر ڈالتا ٹکٹ گھر کے پیچھے نکل گیا۔

لڑکی کے کھلے ہوئے لب سکڑ گئے۔ ہوگا کوئی امیر زادہ! بھلا وہ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لینے کیوں آئے گا؟

''پھر ہم سامان رکھ کے جائیت ہیں۔'' قلی لڑکی کی خاموشی سے جھنجھلا کر بولا۔

''بکومت! مَیں یہاں ہرگز نہ بیٹھوں گی۔'' وہ اونچی آواز میں بول اٹھی۔

اچانک وہی نوجوان ٹکٹ گھر کے پیچھے سے نکل آیا۔

''قلی! تم زنانہ انٹر کلاس ویٹنگ روم میں کیوں نہیں لے جاتے؟'' وہ بولا۔

''پھر اتنی دُور ٹکٹ لینے کون آئے گا؟'' لڑکی قلی سے ہی مخاطب تھی۔

''ٹکٹ سیکنڈ کا چاہیے یا اِنٹر کا؟'' نوجوان بھی جیسے قلی سے پوچھ رہا تھا۔

وہ ایک لمحے کے لیے سنّاٹے میں آ گئی۔

''قلی! چلو!'' وہ بڑے رعب سے کہنے لگی۔

آگے آگے قلی تھا اور پیچھے پیچھے وہ۔ اس کی اونچی ایڑی کی سینڈل زمین پر ایک دل چسپ شور بکھیر رہی تھی۔

''مجوری میم صاحب!'' قلی نے اس کے چرمی بٹوے سے متاثر ہو کر کہا۔

''ابھی نہیں ملیں گے پیسے۔'' وہ سنگار میز کے سامنے کھڑی، جنوری کی کپکپا دینے والی سردی میں رومال سے پیشانی پونچھ رہی تھی۔

''کاہے؟'' قلی کے موٹے موٹے ہونٹ لٹک گئے۔

''اکٹھے لے لینا، سمجھے تم! گاڑی پر سامان بھی رکھوا دینا اور دیکھو! جیسے ہی ٹکٹ گھر کُھلے، مجھے بتانا آکر۔ پیسے زیادہ ملیں گے۔''

قلی اپنے ناریل جیسے سر پر پگڑی لپیٹتا چلا گیا اور لڑکی بجائے بیٹھنے کے مضطربانہ ٹہلنے لگی۔ سامنے بنچ پر کوئی کمبل میں لپٹا گُلبلا رہا تھا۔

عجیب مصیبت ہے! وہ دل ہی دل میں کہنے لگی۔ یہ کم بخت مرد ہر موقع پر آدھمکتے ہیں۔ کچھ نہیں تو سیکنڈ اور انٹر کا شوشہ ہی چھوڑ دیا۔ اب اسے کیا معلوم کہ اس نے اس وقت جو کچھ میرے پاس دیکھا، بس یہی میری کل کائنات ہے۔ اٹیچی کیس اور ہولڈال اچھے زمانے کی یادگار ہیں۔ چرمی بٹوا، ایک سہیلی کا تحفہ اور یہ برقع چلتے وقت خالہ جان کا مانگ لیا تھا کہ مسافر عورتیں میلے کچیلے برقعے والیاں، دیکھتے ہی پھیل پھیل کر بیٹھ جاتی ہیں۔

آج ہی دوپہر کو تو چچا جان کی بیماری کا خط ملا تھا۔ امّی جان کا خیال ہے کہ اگر گھر سے کوئی انھیں دیکھنے چلا جاتا تو اچھا تھا، ورنہ وہ یہی کہیں گے کہ ہم نے تو بھائی کے مرنے کے بعد بھاوج اور بھتیجے بھتیجیوں کا اتنا خیال کیا کہ پیسے کو پیسا نہ سمجھا لیکن وہی بُرے وقت کے ساتھی نہیں۔ بس وہ اتنا ہی سُن کر جانے کو تیار ہوگئی۔ امّی جان نے جانے کب سے تین روپے جوڑ کر رکھے تھے، سو نکال کر دیے کہ تم عقیل کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ عقیل بچہ ہی سہی لیکن ہے تو لڑکا۔ بس یہی ان کی بات تو مجھے زہر معلوم ہوتی ہے۔ جانے وہ لڑکیوں کو کیا سمجھتی ہیں۔ مَیں نے ان سے پوچھا کہ مَیں کیا کوئی لڈو پیڑا ہوں، جو کوئی کھا لے گا اور عقیل کو دیکھ کر ڈر کے مارے اُگل دے گا۔ آخر سلمیٰ اور رضیہ بھی تو لڑکیاں ہیں۔ کیسے مزے میں تنہا سفر کیا کرتی ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ بھئی! وہ بڑے آدمی کی لڑکیاں ہیں۔ مَیں نے جواب دیا: واہ! تب تو انھیں بلا مبالغہ ایک درجن نوکروں کے جھرمٹ میں سفر کرنا چاہیے چونکہ ہم غریب ہیں، اس لیے ایک ہی کا سفر خرچ نکلنا مشکل ہے۔ کجا ایک ننھے محافظ کے ساتھ، جس کی حفاظت خود مجھ پر فرض ہوگی۔ غرض گھنٹوں ان سے بحث کی، تب کہیں جا کر عقیل صاحب کے پہرے سے نجات ملی۔

کھانسی کی کھوں کھوں سے وہ چونکی۔ کمبل کی گٹھڑی کھلی اور ایک جھریوں کا مارا بگلے کے پر جیسے سفید بالوں کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ وہ اپنی ڈھیلی ڈھالی فراک، ترشے ہوئے بال اور ٹرنک پر رکھے ہوئے ہیٹ سے کوئی عیسائی بڑھیا معلوم ہو رہی تھی۔

لڑکی نے ایک سخت تنقیدی نگاہ اس سوکھی مونڈی بڑھیا پر ڈالی اور پھر دل ہی دل میں اس خشک ساتھ پر افسوس کرنے لگی۔ کاش اس پوکھر کے پانی کی طرح ساکت بڑھیا کے بجائے کوئی سمندر کی سی بے چین نوجوان لڑکی یہاں ہوتی، جو اس کے ریشمی سیاہ برقعے میں دمکتے ہوئے چہرے کو رشک سے دیکھتی۔

قلی نے اندر آ کر لڑکی کو بتایا کہ ٹکٹ گھر کھل گیا ہے۔ لڑکی اٹھ کر اس کے ساتھ ہولی۔ راستے میں وہ برابر اِدھر اُدھر دیکھتی جاتی کہ کہیں وہ نوجوان اسے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیتے نہ دیکھ لے۔ کیا کہے گا اپنے دل میں وہ، لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔ لڑکی نے اطمینان سے ٹکٹ لے لیا۔

چیختی چنگھاڑتی ہوئی گاڑی پلیٹ فارم کے سینے میں در آئی۔ جب لڑکی قلی کے پیچھے پیچھے ویٹنگ روم سے نکلی، تو اس کی پہلی نظر اسی نوجوان پر پڑی، جو بڑی شان سے سگریٹ مُنھ میں دبائے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''اب کیا ہو؟'' وہ سوچتی ہوئی جلدی جلدی آگے بڑھنے لگی۔ وہ زنانہ ڈبے کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ عورتوں کی کاؤں کاؤں اور زیورات کی جھنکار، یا جیسے عادی مجرم قیدیوں کی ہائے ہائے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی تال پر۔ اس پر طُرفہ، مردوں کی ان کو ہدایتیں۔ ''مُنّی کی اماں! سامان نہ کھونے پائے'' ایک دوسرے آدمی اس قیامت کے موقعے پر گلا پھاڑ پھاڑ کر کہہ رہے تھے:

''خبردار! نقاب نہ کھلنے پائے۔''

لڑکی کا قلی دروازے پر اڑے ہوئے مردوں کے درمیان سے نکل کر ڈبے میں داخل ہونے کی فکر کر رہا تھا کہ پیچھے سے عورتوں اور مردوں کی ایک اور ٹولی اس بھرے ہوئے ڈبے پر حملہ آور ہوئی اور لڑکی بے چاری بیچ میں پھنس کر رہ گئی۔ اس ٹولی کی ایک عورت نے اپنا چاندی کی چوڑیوں میں پھنسا ہوا ہاتھ برقعے کی گُدڑی سے نکالا اور لڑکی کو راستے میں حائل دیکھ کر دھکّا دے دیا۔ لڑکی ایک جھکولا کھا کر سنبھل گئی۔ اس کا دل بے ساختہ چاہا کہ وہ اس عورت کا جھالروں سے مزیّن برقع نوچ کر بھاگ جائے یا پھر اسے ریل کے نیچے دھکا دے دے لیکن سامنے جو دیکھا تو وہی نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''ارے قلی! تم مجھے یہاں کیوں لائے؟'' وہ پوری طاقت سے چلّائی اور قلی کو لے کر کسی طرح اس ہجوم سے نکل کر دوبارہ پلیٹ فارم کی پیمائش کرنے لگی۔ اس کی نگاہوں کے سامنے سیکڑوں میلے کچیلے بُرقعے غباروں کی طرح اُڑ رہے تھے۔ کاش! وہ بھی ایک ایسا ہی برقع اوڑھے ہوتی تو کوئی اس پر طنز سے مسکرانے والا نہ ہوتا: اس کے دل کے کسی گوشے میں یہ آرزو پھڑ پھڑانے لگی۔ وہ ہر پھر کر بلا مقصد ہی درجوں پر لکھی ہوئی عبارت پڑھ رہی تھی۔

فرسٹ، سیکنڈ، انٹر، زنانہ اِنٹر وہ دفعتاً تھم گئی۔ ایک بار عبارت کو پھر پڑھا اور یہ درجہ اسے موسلا دھار بارش میں کسی گھنے درخت کا سایہ معلوم ہونے لگا۔ وہ بلا سوچے سمجھے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ قلی باہر ہی متعجب سا کھڑا تھا۔

''لے آؤ سامان!'' وہ ایک دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ قلی سامان رکھ کر اسے ایک آنکھ سے گھورنے لگا، جیسے وہ اس کی تہ تک پہنچنا چاہتا ہو۔ لڑکی بھانپ گئی۔ اس نے بٹوا کھولا اور ایک چمکتی ہوئی اُٹھنّی اس کی طرف بڑھا دی۔ قلی کا چہرہ، جو حقارت کے جذبات کے باعث بری طرح لٹکا ہوا تھا، ایک دم کِھل اُٹھا۔ مزدور کو مزدوری چاہیے، اسے کسی کے معاملات سے کیا غرض؟ اس نے اُٹھنّی کو مَل کر دیکھا، جیسے وہ یقین کرنا چاہتا ہو کہ واقعی اس ہلکے پھلکے اسباب کی اٹھوائی آٹھ آنے بھی ہو سکتی ہے!

سیٹی کی آواز سن کر قلی اتر گیا اور پھر لڑکی کے عنابی ہونٹوں پر ایک مطمئن مسکراہٹ لہرانے لگی۔ وہ دروازے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ نوجوان اوورکوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونسے کھڑا اسے میٹھی میٹھی نظروں سے تاک رہا ہے۔

گاڑی کو جُنبش ہوئی اور وہ دوڑ کر آگے چلا گیا۔ سٹیشن کی دُکانیں، خوانچے والے اور قلی اس کی نظروں کے سامنے سے بھاگ رہے تھے۔ وہ دیر تک کھڑی سٹیشن کی بتیوں کو، جو اب اندھیری رات میں جگنو کی طرح چمک رہی تھیں، گھورتی رہی۔ آخر گھُپ اندھیرے میں اس کی نظریں ٹھوکریں کھانے لگیں۔ اب وہ اپنے ڈبے کی طرف متوجہ ہوئی۔ دو سیٹوں پر دو عورتیں رنگین لحافوں میں لپٹی ہوئی تھیں اور ان کے اردگرد بھاری بھاری بکس اور بڑی بڑی پوٹلیاں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں کہ کسی کے بیٹھنے کی جگہ ہی نہ تھی۔ تیسری سیٹ پر کونے میں ایک عورت بالکل دُبلی پتلی بیٹھی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ اس کے قریب ایک دوسرا بچہ، جو زیادہ سے زیادہ دو سال کا ہوگا، بیٹھا منمنا رہا تھا۔ بالکل سوکھا، ہاتھ پاؤں کی کھال لٹکی ہوئی، جیسے وہ پیدائش کے بعد فوراً ہی براہِ راست بڑھاپے کی طرف چل دیا ہو۔

ڈبے پر عجیب اِضمحلال طاری تھا۔ لڑکی بددل ہو کر اسی سیٹ پر ٹک گئی۔

ایک چھوٹے سے سٹیشن پر گاڑی رُکی اور لڑکی کا دل پسلیوں سے سر ٹکرانے لگا۔ اگر کوئی اس وقت اس کا ٹکٹ دیکھے تو! اسے پُھریریاں آنے لگیں۔ دو منٹ بعد گاڑی چل دی اور لڑکی سوچنے لگی۔

آخر اس مُلَمّع سے کیا فائدہ، جو ذرا سی رگڑ سے اتر جائے۔ دنیا میں امیر غریب سبھی تو ہیں، بھلا ایک قیمتی اوور کوٹ والے نوجوان سے اس قدر متاثر ہونے کی کیا وجہ؟ آسمان پر صبح کی روشنی رینگتی جا رہی تھی اور تارے سہمے سے کانپ رہے تھے۔ گاڑی کسی اَور سٹیشن پر رکی۔ لڑکی نے دروازے سے سر نکال کر سٹیشن کا نام پڑھا۔ اب اس کی منزلِ مقصود قریب تھی۔

سوئی ہوئی عورتیں اُٹھ بیٹھیں۔ وہ آپس میں جمائیاں لے لے کر کسی دوسرے صوبے کی زبان میں باتیں کر رہی تھیں۔ ان میں سے ایک بھی لڑکی کی طرف متوجہ نہ ہوئی، جیسے وہ اپنے کالے چہروں کے سامنے اس کے کالے برقعے کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھتی تھیں۔ لڑکی نے اپنا اسباب دروازے کے قریب گھسیٹ لیا، کیوں کہ آئندہ سٹیشن پر اسے اُترنا تھا۔ گاڑی رُکی اور اس نے جلدی سے اپنا بستر پلیٹ فارم پر لڑھکا دیا۔ پھر اٹیچی کیس لے کر اتر گئی۔ چھوٹا سا سٹیشن۔ گاڑی صرف دو منٹ ٹھہرتی تھی۔

ٹرین نے سیٹی دی اور وہ اس نوجوان پر ایک اَلوداعی نظر ڈالنے کے لیے رُکی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یقیناً کسی اگلے سٹیشن پر اترے گا۔ وہ بہت خوش تھی، اس لیے کہ اس نے مفلسی کو اس امیر نوجوان سے چھپا لیا تھا، لیکن وہ یہ دیکھ کر سنّاٹے میں آ گئی کہ وہ نوجوان اس سے ذرا فاصلے پر کھڑا ٹرین میں بیٹھے ہوئے آدمی سے الوداعی مصافحہ کر رہا تھا۔ لڑکی گھبرا کر قلی کو پکارنے لگی۔ ایک بڈھا آنکھیں ملتا ہوا، بڑھا اور اس کا سامان اٹھا کر چلنے لگا۔ کتنا عجیب اتفاق تھا! جہاں وہ اُتری، وہیں اسے بھی اترنا تھا۔ لڑکی تقریباً بھاگنے لگی، اس لیے کہ اب وہ نوجوان سے پہلے گیٹ پاس کر کے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ اس کی نظر سے چُھپانا چاہ رہی تھی، لیکن جب وہ گیٹ کے قریب پہنچی تو وہ نوجوان گیٹ سے باہر کھڑا اسے آتا دیکھ رہا تھا۔ ٹکٹ دینے کے لیے لڑکی کا ہاتھ بڑھتا ہی نہ تھا۔ اس وقت

ٹکٹ اس کے ہاتھ میں ایک من کا بوجھ تھا۔ وہ ایک لمحہ تک تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی، آخر اسے ٹکٹ دیتے ہوئے شکست مان لینا پڑی۔ وہ مضمحل قدموں سے باہر نکلی۔ اس وقت اس کی حالت اس شخص کی سی تھی، جس نے اپنے کپڑوں پر پانی کی ایک چھینٹ پڑے بغیر دریا پار کرلیا ہو لیکن کنارے پر پھسل کر پانی میں شرابور ہو جائے۔ اسے اب نوجوان کہیں نظر نہ آیا۔ شاید وہ اس کی نگاہوں میں اب کوئی درجہ نہ رکھتی تھی۔ یہ احساس اس کے سینے کو برما رہا تھا۔ وہ تانگے پر بیٹھ کر رو دی۔

چچا کے ہاں اس کا استقبال صرف اس لیے بڑی گرم جوشی سے کیا گیا کہ اس نے بیمار چچا کی عیادت کے لیے تنہا سفر کیا تھا لیکن وہ ان گرم جوشیوں کے مقابلے میں بہت سرد دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے چائے کی ایک پیالی بہت اصرار پر کڑوی دوا کی طرح پی اور کوٹھے پر دھوپ کھانے چلی گئی۔ اس کے پیچھے چچازاد بہن بھی آ گئی۔

''باجی! یہ برقع تو بڑا اچھا سا بنا ڈالا تم نے۔'' وہ اس کا برقع بھی نیچے سے مارے شوق کے اٹھاتی لائی تھی۔

لڑکی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ سورج کے رُخ پر کھڑی ہو کر برقعے کو قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر لمبی چوڑی چھت پر مضطربانہ ٹہلنے لگی۔ اسے برقعے کی تعریف ہوتے ہی سفر کے سارے واقعات رہ رہ کر یاد آنے لگے، جنھیں وہ اپنے دل سے محو کر دینا چاہتی تھی۔

اس کی بہن برقع پہن کر کھڑی ہوگئی۔

''کتنا اچھا لگتا ہے! مَیں بھی بالکل ایسا ہی بنواؤں گی۔'' وہ ہر اچھے کپڑے کو دیکھ کر خود بھی ویسا ہی بنوانے کو کہا کرتی تھی، لیکن شاید ہی وہ کبھی ایسا کر سکی ہو۔

لڑکی ٹہلتے ٹہلتے اپنا خیال بٹانے کے لیے پڑوس کے مکان میں جھانکنے لگی۔ اُس نے دیکھا۔

گوبر سے لپے پُتے آنگن میں بانس کی کُھری چارپائی پر کوئی تہبند باندھے اوندھا پڑا دھوپ لے رہا تھا۔ چارپائی پر سرہانے کی طرف بیڑی کا بنڈل اور دیا سلائی کی ڈبیا رکھی ہوئی تھی۔ پھونس کے چھپر میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت بیٹھی باجرے کی موٹی موٹی روٹیاں تھوپ رہی تھی۔

دھوپ کھانے والے نے کروٹ بدلی اور لڑکی کا دل دھڑکتے دھڑکتے جیسے ایک لمحہ کے لیے تھک گیا ہو۔

وہی سٹیشن کا امیرزادہ! اچانک دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ نوجوان نے پُھرتی سے کروٹ بدل لی۔

چھپّر میں ایک کھونٹی پر قیمتی اوورکوٹ جھول رہا تھا۔

''بٹو! اس مکان میں کون رہتا ہے اب؟'' لڑکی نے اپنی بہن سے سوال کیا، جو برقع پہنے اب تک یہی معلوم کر رہی تھی کہ وہ کیسی لگتی ہے؟

’’ایک بیوہ! اوراس کا ایک لڑکا بھی ہے۔شہر میں پڑھتا ہے۔ باجی! بے چاری بڑی سیدھی عورت ہے۔ ہمارے ہاں کے سارے کپڑے یہی سیتی ہے لیکن سچ مانو، سلائی بہت کم لیتی ہے۔‘‘

لڑکی سورج کے رخ پر کھڑی برقعے کو گھور رہی تھی۔

(سب افسانے میرے)

مشق

۱۔ درجِ ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیے:

(الف) قلی نے لڑکی کو پلیٹ فارم پر بیٹھ جانے کے لیے کہا تو اس پر لڑکی نے کس رویّے کا اظہار کیا؟

(ب) لڑکی سفر کیوں کر رہی تھی؟

(ج) گھر والوں نے عقیل کو ساتھ لے جانے کا مشورہ دیا تو اس پر لڑکی نے کیا جواب دیا؟

(د) لڑکی سٹیشن پہنچی تو اس نے سب سے پہلے کیا دیکھا؟

(ہ) لڑکی جس ڈبے میں سوار ہوئی، اس کا ماحول کیسا تھا؟

۲۔ متن کی روشنی میں درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) سبق ’’ملمع‘‘ کے مآخذ کا نام کیا ہے؟

(i) وہ لوگ (ii) سب افسانے میرے

(iii) ہائے اللہ (iv) چوری چھپے

(ب) جب لڑکی ریلوے سٹیشن پہنچی تو گاڑی آنے میں کتنی دیر تھی؟

(i) پندرہ منٹ (ii) آدھا گھنٹا

(iii) ایک گھنٹا (iv) چند منٹ

(ج) سبق ’’مُلَمّع‘‘ اصنافِ ادب کے لحاظ سے کیا ہے؟

(i) داستان (ii) افسانہ

(iii) مضمون (iv) ناول

(د) ''مُلمَّع''، کس کی تحریر ہے؟

(i) خدیجہ مستور (ii) ہاجرہ مسرور

(iii) سجاد حیدر یلدرم (iv) اشرف صبوحی

(ہ) لڑکی نے قلی کو کتنی رقم دی؟

(i) اٹھنّی (ii) ایک روپیا

(iii) پانچ کا نوٹ (iv) دس روپے

(و) لڑکی کے سفر کا مقصد تھا:

(i) سیر سپاٹا (ii) بیمار چچا کی عیادت

(iii) خالہ زاد بہن کی شادی میں شرکت (iv) چھٹیاں گزارنا

(ز) لڑکی نے ریل کا سفر کس درجے میں کیا؟

(i) انٹر (ii) اوّل

(iii) دوم (iv) اے سی

۳۔ لڑکی پر امیر زادے کی اصلیت کیسے واضح ہوئی؟

۴۔ سبق کے متن کو مدِ نظر رکھ کر درست یا غلط پر نشان (✓) لگائیں:

	درست	غلط
(الف) ''گاڑی ہمیشہ لیٹ رہتی ہے۔'' قلی نے کہا۔	....	....
(ب) لڑکی کو ماموں کی بیماری کا خط ملا تھا۔	....	....
(ج) قُلی ایک روپے کا سکّہ پا کر خوش ہو گیا۔	....	....
(د) چچا کے ہاں لڑکی کا استقبال خوشی سے کیا گیا۔	....	....

۵۔ اردو میں اسم کی بلحاظِ جنس دو قسمیں ہیں، مذکّر اور مؤنث۔ یعنی ہر اسم، چاہے وہ جاندار ہو یا بے جان، مذکر ہوگا یا مؤنث۔ اگرچہ ماہرینِ قواعد نے تذکیر و تانیث کے کچھ اصول بنائے ہیں لیکن عام طور پر تذکیر و تانیث اہلِ زبان کے بول چال ہی کے تابع ہوتے ہیں اور بے جان اسموں کی تذکیر و تانیث کے سلسلے میں بھی اہلِ زبان کی گفتگو ہی سند قرار پاتی ہے۔

مندرجہ ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے:

برقع، قلی، سڑک، لالٹین، لب، پیشانی، فرض، سائنس، گُدڑی

۶۔ اس سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

۷۔ سبق ''مُلمَّع'' کا سیاق و سباق ذہن میں رکھ کر درج ذیل نثر پاروں کی تشریح کیجیے:

(الف) ارے قلی! تم مجھے ________ عبارت پڑھ رہی تھی۔

(ب) لڑکی کا قلی دروازے پر ________ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

۸۔ اردو میں دوسری زبانوں کے الفاظ جذب کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ زبان دسیوں زبانوں کے الفاظ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ایک زمانے تک اس پر فارسی اور عربی الفاظ کا غلبہ رہا۔ اب کچھ عرصے سے انگریزی الفاظ بھی تیزی سے اس کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ آپ اس افسانے میں استعمال ہونے والے انگریزی الفاظ کی ایک فہرست مرتب کریں۔

سرگرمیاں

۱۔ اس افسانے میں آپ کا پسندیدہ کردار کون سا ہے؟ اپنے لفظوں میں اس کا تعارف کرائیں اور پسندیدگی کی وجہ بھی لکھیں۔

۲۔ ہاجرہ مسرور کا کوئی اور افسانہ جماعت میں پڑھ کر سنائیں۔

اساتذہ کرام کے لیے

۱۔ ہاجرہ مسرور کا تعارف کرایا جائے۔

۲۔ طلبہ کے سامنے اچھے افسانے کے پلاٹ، کردار، فضا اور دیگر فنی لوازم کی وضاحت کی جائے۔

۳۔ طلبہ کو افسانے کی بالعموم اور اس افسانے کی بالخصوص اہم خصوصیات بتائی جائیں۔